منصب افتاء اور مفتی کی ذمہ داریاں(۲)

تحریر : محمد المکی ناصری‘ ترجمہ : پروفیسر نور احمد شاہتاز

افتاء کی شرائط اور ممنوعات

اس بات پر اصولیوں کا اجماع ہے کہ ثقہ و عادل عالم کو افتاء کا اختیار ہے‘ جبکہ ائمہ اسلام نے ایسے شخص پر سخت ملامت کی ہے جو قلت علم یا ضعف دین یا دونوں کی موجودگی کے باوجود مسند افتاء پر چڑھ بیٹھے (۱۵) اور ایسے شخص کی شدید مذمت کی ہے جو بلا اہلیت میدان افتاء میں دم مارنے لگے اور لاعلمی کے باوجود فتاویٰ صادر کرنے لگے‘ یا خلاف علم اپنی خواہش یا کسی دوسرے کی خواہش کے مطابق فتاویٰ جاری کردے‘ یا سستی شہرت کی خاطر یوں فتویٰ دے کہ حلال کو حرام یا حرام و ناجائز کو حلال اور جائز بتلائے۔ یا کسی قول شاذ کو حجت قرار دے کر اس سے استدلال کرے اور اسی پر فتویٰ دے۔ مفتی کو یہ چاہئے کہ وہ سوال کا جواب دیتے وقت اس بات کا خیال رکھے کہ اس کا جواب اس حکم شرع میں اسی طرح ثابت شدہ ہے جیسا وہ کہہ رہا ہے۔ یوں مفتی کی حیثیت "جبکہ اس کا تعلق مجتہدین سے ہو" ایک ایسے مخبر کی ہوگی جو سائل کو قرآن و سنت سے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق کتاب و سنت کا حکم سنا رہا ہو یا اس کی حیثیت ایسے مخبر کی ہوگی جو امام فی المذہب کی فقہی آراء و نصوص سے مسائل کے سوال کا جواب اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق دے۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کا تعلق مقلدین سے ہو۔ جیسے کوئی مجتہد سوائے اس کے کوئی جواب نہیں دے سکتا جو اس نے کتاب و سنت سے سیکھا ہے اسی طرح کوئی مقلد اس کے سوا کوئی جواب نہیں دے سکتا جو اس نے اس امام فی المذہب کے مذہب سے سیکھا ہو جس کا وہ مقلد ہے۔

اس طرح جب کسی مفتی کو کسی استفتاء کے موضوع کے بارے میں مکمل معلومات مل جائیں اور وہ سوال کا حل یقین یا غلبہ ظن کی بناء پر نکال لے تو پھر اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے مطابق جواب دے اور سوال کا صحیح حل مل جانے اور استفتاء کا درست جواب معلوم ہو

جانے کے باوجود اس سے اغماض برتنا اور اس کے خلاف فتویٰ دینا حرام ہے۔ ایسا کرنے والا شخص ان لوگوں کے زمرے میں شامل ہوگا جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ : "یقولون علی اللہ مالا یعلمون" نیز "قل انما حرم ربی الفواحش ...... الی قولہ تعالی : وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون"

اور جب کسی نے علم کے خلاف فتویٰ دیا تو اس کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے : "ویوم القیمہ تری الذین کذبوا علی اللہ وجوھھم مسودہ"

اگر کسی میں وصف علم بغیر عدالت کے پایا جائے تو اسے بھی فتویٰ دینا جائز نہیں ' کیونکہ اس کے اور فتویٰ کے درمیان فسق حائل ہے اور وہ اس لئے کہ فتویٰ کا تعلق امور دینیہ سے ہے جبکہ فاسق کی بات امور دین میں قابل قبول نہیں (۱۶)۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہاں فاسق سے مراد فاسق معلن اور مبتدع ہے جس کا فتویٰ صحیح نہیں (۱۷) جیسے روافض کہ جو سلف صالح پر سب وشتم کرتے ہیں چنانچہ ان کے فتاویٰ مردود ہیں اور ان کے اقوال ساقط الاعتبار ہیں۔ جیساکہ نووی نے صیمری کا قول "المجموع" میں نقل کیا ہے۔ (۱۸)

افتاء او استفتاء کا حکم

ہر مسلم مرد وعورت کو ایسا کوئی بھی کام جو امور دین میں سے ہو شروع کرنے سے قبل سوچنا ہوگا کہ ان کا یہ عمل شرعاً حلال ہے یا حرام ' جائز ہے یا ناجائز؟ اگر انہیں اس کا علم ہے تو فبہا اور اگر وہ اس کا شرعی حکم نہیں جانتے تو انہیں کسی ایسے صاحب علم سے رجوع کرنا ہوگا جو فتویٰ دینے کا اہل اور مجاز ہو ' بتقضائے امر الٰہی "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۞" اس کے بعد ہی مزعومہ امر کو کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر وہ امر شرعاً جائز ہو تو اسے باطمینان قلب انجام دیا جائے گا اور اگر ممنوع یا ناجائز ہو تو اس سے اجتناب کیا جائے گا۔

اور جب کوئی مسلمان امور دینیہ کے سلسلہ میں کوئی سوال کسی ایسے عالم سے کرے کہ اس علاقہ میں اس کے سوا اور کوئی عالم نہ ہو تو اس عالم کو چاہئے کہ وہ پوری

احتیاط کے ساتھ ادلہ شرعیہ کے مقتضی کے عین مطابق اس سوال کا جواب دے کہ ایسا کرنا شرعاً اس پر واجب ہے اور اگر اس علاقہ میں ایک سے زائد ایسے علماء ایک ہی مجلس میں موجود ہوں جو فتویٰ دینے کے اہل ہوں تو اب ان تمام پر اس کا جواب دینا فرض کفایہ ہے کہ ان میں سے اگر ایک بھی یہ ذمہ داری قبول کرلے تو تمام پر سے وجوب ساقط ہو جائے گا جیسا کہ دیگر فرائض کفایہ میں معروف ہے۔ لیکن اگر سائل کو ان میں سے صرف ایک ہی مفتی دستیاب ہو تو اس ایک پر اس کا جواب دینا فرض عین ہے[19]۔

اور اگر سائل کے علاقہ میں صرف ایک متفقہ پایا جائے جو کہ مفتی نہ ہو اور اس میں مفتی ہونے کی استعداد (ABILITY) نہ ہو اور سائل کو باوجود تلاش بسیار کے کوئی مفتی نہ مل سکے تو اسے اس صورت میں اسی متفقہ سے رجوع کرنا ہوگا اور اسی سے مسئلہ کا حل طلب کرنا ہوگا کہ ایسا کرنا کم از کم اس سے بہتر ہے کہ وہ بغیر شرعی حکم معلوم کئے شک وارتیاب کے عالم میں کسی امر پر عمل پیرا ہو اور سائل کا مسئلہ کے حل کے سلسلہ میں کوشش وکاوش کرنا باوجودیکہ اسے کوئی اہل علم نہ ملے' یہ بھی تقویٰ کی وہ حد ہے جسے اللہ نے "فاتقوا اللہ ما استطعتم" فرمایا ہے۔[20]

اور اگر مستفتی پر کسی ایسی جگہ کوئی افتاد آن پڑی کہ جہاں نہ تو کوئی مفتی' مجتہد ہے اور نہ مقلد' تو ایسی صورت میں اس سے اس افتاء کا شرعی حکم معلوم کرنے کی ذمہ داری ساقط ہو جائے گی اور یہ اس شخص کی مانند ہوگا جسے دعوت نہیں پہنچی۔ اگرچہ یہ دوسروں کی نسبت زیادہ مکلف ہے۔ تاہم اسے اپنے ضمیر سے پوچھنا چاہئے کہ فطرت سلیمہ اور ضمیر زندہ اسے حق کی طرف رہنمائی کریں گے۔[21]

بعض علماء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی عالم اس مخصوص صورت حال کا شرعی حکم نہ جانتا ہو جس سے سائل دوچار ہوا ہے تو عالم کو چاہئے کہ وہ مستفتی کے سوال کا جواب نہ دے۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ واقعتاً استفسار کسی ایسی صورت سے متعلق ہو جو کہ حقیقتاً درپیش ہو مگر عموماً پیش نہ آتی ہو' نہ کہ فقط کسی صورت کے امکانات سے متعلق ہو یا ناممکن الوقوع مسائل سے متعلق استفسار ہو۔ امام مالک سے بسا اوقات بعض مسائل کے بارے میں سوال کیا جاتا تو آپ فرماتے کیا یہ امر واقعتاً درپیش ہے؟ اگر کہا جاتا کہ ہاں تو

جواب دیتے' بصورت دیگر جواب نہ دیتے تھے اور یہ کہہ کر اسے چھوڑ دیتے کہ جب کوئی ایسی صورت پیش آئے گی تو اللہ تعالیٰ جواب بھی ارزاں فرمادیں گے۔ (۲۲)

مفتی کی خوبیاں

مفتی کا منصب امور دین میں ایک اہم منصب اور ایک حساس اجتماعی فریضہ اور سوشل ذمہ داری ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حقیقی استعداد اور ظاہری و باطنی صفات سے متصف ہونا لازمی ہے۔

۱ ۔ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ کردار کا مالک اور فسق و فجور کا باعث بننے والے امور سے کلیتہ مجتنب ہو۔

۲ ۔ عوام الناس کے نزدیک اس کی شہرت عمدہ ہو' حق پر ثابت قدم رہنے والا اور نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی کرنے والا ہو۔

۳ ۔ بارعب اور پروقار شخصیت کا مالک ہو۔

۴ ۔ صاحب بصیرت' سلیم العقل اور استنباط مسائل میں حسن تصرف کا مالک ہو۔

۵ ۔ لوگوں کے احوال سے واقف ہو اور ان کے مکرو فریب کو جانتا ہو' تا کہ حق و باطل کی تمیز کر سکے اور ظالم و مظلوم کو پہچان سکے۔

۶ ۔ وہ صرف اپنے ہی علم پر تکیہ کرنے والا نہ ہو بلکہ اپنے ہم مجلسوں سے مشورہ بھی کرتا ہو' اگرچہ اس کے ہم مجلس اس سے علم میں نسبتاً کم ہوں۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ اس طرح کوئی ایسی صورت اس پر ظاہر ہو جائے جو اس وقت اس کے ذہن سے اوجھل ہو۔ اور مشورہ کرلینا سلف صالحین کی اتباع بھی ہے' ماسوا ان امور کے جن کا پوشیدہ رکھنا مطلوب ہو یا جن کے افشاء سے فساد کا خطرہ یا آداب معاشرت کے خلاف لازم آتا ہو۔

۷ ۔ اسے اپنے علم اور مفتی کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کا گھمنڈ نہ ہو' بلکہ وہ امور مسئولہ میں اللہ علیم و خبیر سے مدد و نصرت کا طلب گار رہے اور یہ التجا کرتا رہے کہ رب کریم اسے مسئلہ کے صحیح ترین حل تک پہنچنے میں رہنمائی فرمائے۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ وہ

جب بھی اللہ کے دروازے پر دستک دے گا تو گویا توفیق کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔ (۲۳)

۸ ۔ لباس و پوشاک میں نظافت پسند ہو۔ کبھی بھی غیر شرعی وضع قطع کے ساتھ گھر سے نہ نکلے۔ القرافی کہتے ہیں کہ عامتہ الناس ظاہری شکل و صورت' وضع قطع کا بہت اثر لیتے ہیں اور اگر مفتی کا وقار و احترام ان کے دل میں نہ ہو گا تو وہ نہ تو اس کے فتاویٰ کو اہمیت دیں گے اور نہ شرعی مسائل کے سلسلے میں اس سے رجوع کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

> میں ایک ایسے قاری کو پسند کرتا ہوں جو سفید لباس میں ملبوس ہو تاکہ وہ لوگوں کی نظروں میں باوقار ٹھہرے اور یوں جو کچھ علوم حقہ میں سے اس کے پاس ہے اس کی بھی قدر و منزلت ہو۔ (۲۴)

ابو عبداللہ ابن بطہ اپنی کتاب "الخلع" میں امام احمد بن حنبلؒ سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد فرماتے تھے کہ کوئی شخص منصب مفتی کا اہل نہیں جب تک اس میں پانچ خوبیاں نہ ہوں :

۱ ۔ نیک نیت ہو۔

۲ ۔ اس میں علم و حلم اور وقار و سکون ہو۔

۳ ۔ علم میں پختہ اور عزم میں قوی ہو۔

۴ ۔ ہیبت و وقار کا حامل ہو' ورنہ عوام اسے چباڈالیں گے۔

۵ ۔ لوگوں کے احوال سے واقفیت رکھتا ہو۔

ان خوبیوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ پانچ خوبیاں مفتی کی اصل اور اساس ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی کم ہو گی تو مفتی میں اسی حساب سے اتنی ہی کمی یا نقص پایا جائے گا۔

حواشی

{۱۵} القرافی' الاحکام فی التمییز بین الفتاوی والاحکام ص ۲۶۶

{۱۶} الحصکفی' درالمختار' ج ۴' ص ۴۸

(باقی صفحہ ۱۰۳ پر ملاحظہ فرمائیں)